© rasailojaraid.com



# سرمایہ کاری کی معاشی حقیقت

## اور

## اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے معاوضہ کی وجہِ جواز

از جناب سید معین الدین صاحب قادری استاذ معاشیات جامعہ عثمانیہ

---

"طلوعِ اسلام" کی اشاعت مورخہ فروری ۱۹۶۲ء میں "تحقیقِ ربوا" کے فاضل مبصر نے بیع و ربوا میں فرق و امتیاز کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"تجارت میں بھی کوئی شخص اپنی محنت سے زائد منافع لیتا ہے تو وہ ربوا ہے کیوں کہ وہ سرمایہ کا معاوضہ ہوگا" ص ۳۹

گویا تجارت کی وہ فاضل آمدنی جس کو اصطلاحی زبان میں "نفع" کہا جاتا ہے ایک "غیر مکتسب آمدنی" ہونے کی بنا پر موصوف کی ناقدانہ نظر میں قطعی "ربوا" ہے۔

اس خیال و بیان پر معاشی و اسلامی نقاطِ نظر سے تبصرہ کرنے سے قبل ہم قارئین کی توجہ دوسرے علمائے دین کے اسی قسم کے خیالات کی طرف منعطف کرانا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اس امر کا اندازہ ہو کہ معاشیات کے ان فنی مسائل کی الجھنوں سے اکثر نیک نیت باخدا مخلص علماء کو مسئلہ ربا و بیع کے فرق و امتیاز میں غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔

"کمرشیل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت" کے فاضل مرتب مولانا محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی نے اپنے مقالے "کمرشیل انٹرسٹ کی دینی حیثیت" میں ربا و بیع میں فرق و امتیاز کی تحریک کرتے ہوئے "تجارتی سود" کو "تجارتی منافع" کی اصطلاح سے بدلنے کی تجویز کی ہے، کیوں کہ موصوف کے خیال میں تجارتی سود اپنی نوعیت



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



میں پیدا آور ہونے کے اعتبار سے ربائی ماہیئت کا حامل نہیں بلکہ اپنی اصلیت میں رنجح سے مماثلت رکھنے کی بنا پر ایک جائز وحلال ذریعہ آمدنی ہے، چنانچہ محولہ بالا کتاب کے صفحہ (۶۹) پر مولنٰنا تحریر فرماتے ہیں :-

"حقیقت یہ ہے کہ کمرشیل انٹرسٹ کا ترجمہ تجارتی سود کی بجائے تجارتی منافع یا ربح کرنا زیادہ درست ہے کیوں کہ ہماری فکرِ خام اسی نتیجہ پر پہنچی ہے کہ کمرشیل انٹرسٹ ربٰو نہیں بلکہ ربح ہے اور اگر اس کے جواز کی کوئی دلیل کتاب وسنت میں نہیں ملتی تو عدمِ جواز کی دلیل بھی نہیں ملتی"۔

بالفاظِ دیگر تجارت کے سود مند کاروبار اور منفعت بخش کاروبار میں صرف الفاظ کا الٹ پھیر ہے۔ انہی الفاظ کی ترکیب میں ذرا سی تبدیلی سے یوں بیان کیجیئے : تجارتی کاروبار سے سود کی آمدنی اور تجارتی کاروبار سے نفع کی آمدنی ... تو فرق نظر آتا ہے۔ اسی جملہ کو مختصر کر کے یوں بیان کیجیئے : ربائی کاروبار اور تجارتی کاروبار ... تو "البیع مثل الربٰو" کی شکل ظاہر ہونے لگتی ہے۔

بہر حال یہ مسئلہ صرف الفاظ کی الٹ پھیر اور مروجہ اصطلاحات کے استعمال کی بناء پر طے کرنے کا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ٹھیٹ معاشی مسئلہ ہے۔ اس اعتبار سے یہ مسئلہ اپنی ماہیئت ونوعیت کا معاشی تصفیہ چاہتا ہے اور علمی حقیقت وصداقت کی بناء پر اپنی حرمت وحلت یا اباحت وقباحت کا فتویٰ طلب کرتا ہے۔ اس مسئلہ کے حسن وقبح کو صرف فنی تجزیہ ہی ظاہر کر سکتا ہے اور اہنی معاشی نتائج کی صحت پر ہمارے علمی تصفیہ، معاشی فیصلہ اور دینی فتوے کا انحصار ہے۔

مولنٰنا جعفر شاہ صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں "ادارۂ معیشتِ اسلامی" کی جانب سے "دستورِ معاش" کے عنوان پر لکھا ہوا مولوی چودھری محمد اسمٰعیل صاحب کا رسالہ ازراہِ عنایت تبصرہ کے لئے میرے پاس بھیجا گیا۔ تبصرہ لکھنے کی ہمت کر ہی رہا تھا کہ طلوعِ اسلام کا رسالہ زیرِ مطالعہ آگیا اور وہ بہت سے نکات جن پر تبصرہ کرنا ضروری تھا اتفاق سے وہی نکات کچھ تغیرات کے ساتھ اس رسالہ کے مضامین میں بھی تھے۔ چونکہ یہ تبصرہ حسب خواہش "ثقافت" کو بھیجا ہی جا رہا تھا اس لئے احقر نے مناسب خیال کیا کہ "طلوعِ اسلام" کے تبصرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ان فاضل مصنفین کے خیالات کے توارد اور یکسانیت کے پیشِ نظر ایک ہی تبصرہ میں سب کو یکجا کر لیا جائے تاکہ ایک ہی قسم کے خیالات کی تکرار سے قارئین کو زحمت اور تکان بھی نہ ہو اور سب کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



خدمت میں وہ اپنے ناچیز و حقیر خیالات کو بیک وقت پہنچا سکے۔

"دستورِ معاش" کے مصنف نے اپنے اس خیال کو اس رسالہ میں بار بار پیش کیا ہے کہ صنعت و حرفت، تجارت زراعت اور دیگر معاشی شعبہ جات میں جو زائد آمدنی بطور منافع، نفع اور لگان کے مل جاتی ہے اس غیر مکتسب آمدنی کو صناع، تاجر اور زمیندار اپنی مِلک قرار دے کر اپنے لئے جو مختص کر لیتے ہیں وہ سب آمدنیاں موصوف کے خیال میں ربا ہیں اور اس اعتبار سے نفع خور آجر و تاجر سبھی سود خوار ہیں۔

گویا آپ کی نظر میں ہر زائد آمدنی ربا ہے اور فضل" مثل ربا" ہے۔ ملاحظہ ہو:

"غرض یہ کہ مروجہ نظامِ معاشیات کا ہر شعبہ سود کی متفقہ طور پر مسلمہ مثال پر ٹھیک ٹھیک منطبق ہوتا ہے اور ہر شعبہ میں حاجت مندوں سے سرمایہ کی مختلف شکلوں کے استعمال کا عوضانہ لیا جاتا ہے۔ دراصل حاجتمند سے سرمایہ کے استعمال کا عوضانہ لینا ہی سود ہوتا ہے، صرف مختلف جگہوں میں اس کے نام مختلف ہیں، کہیں کرایہ، کہیں بٹائی، حصہ، منافع، سود وغیرہ" (ص۹ "دستورِ معاش" از چودھری محمد اسمٰعیل صاحب)

کتاب کے آخری حصہ میں خلاصہ مباحث کو "ہمارا دعویٰ" کے تحت پیش کرتے ہوئے اس خیال کو پھر شدت سے پیش کیا گیا ہے: منافع کو صدقات و زکوٰۃ کے منافی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ کو بٹائی، حصے، کرائے منافع اور تجارتی سود خوریوں کے جواز میں قرآن کریم سے کوئی آیت نہیں ملے گی۔" (ص۴۳ ایضاً)

ان محولہ بالا بیانات کے تجزیہ سے دو تخیلات نظروں کے سامنے آتے ہیں:

(۱) ہر قسم کی فاضل آمدنی اور قرآنی ربا میں کوئی فرق و امتیاز ہی نہیں، گویا انما (الفضل) مثل الربوٰ ہے۔ زیادتی سب میں بطور قدرِ مشترک ہونے کے اعتبار سے سبھی ناجائز ہیں اور اصل مال پر اضافے ہونے کی حیثیت سے سبھی حرام ہیں۔

(۲) تجارت (اور پیدا آور کاروبار میں) میں زرِ قرض پر جو زیادتی ملتی ہے وہ چوں کہ تجارتی منافع کا جزو ہوتی ہے اس لئے نفع کا جزو نفع ہی ہوتا ہے اگر کل جائز ہے تو جزو کا بھی جائز ہونا ملزوم ہے۔ گویا جزو در نہج ہونے کی بناء پر تجارتی سود کی مماثلت ربا سے زیادہ سمجھ سے ہے، اس لئے تجارتی سود کو تجارتی نفع



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



قرار دیا جائے تو تبدیلِ اصطلاحات سے تصورات میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے اور تجارتی نفع سے وہ کراہت کی بُو دور ہو جاتی ہے جو تجارتی سود کہنے سے پیدا ہوتی ہے، یہ خیال اول الذکر تخیل کے بالکل برعکس ہے یعنی الربا فی التجارۃ لیس کمثل الربوٰ بل ھو وجہ من وجوہ الربا یعنی لا ربا فی التجارۃ۔

حرمت وحلت کی اصطلاحات میں ان دو مکاتیب خیال میں بعد المشرقین ہے۔ ایک مسئلہ سے متعلق فروعی اختلافات ہوں تو مضائقہ نہیں لیکن معاملہ حرمت وحلت کے بعد الحدودین کی انتہاؤں تک چلا جائے تو اختلافات کی یہ وسیع خلیج اسلامی نظامِ زندگی کے حرکی اور جاندار تصور میں کچھ معمولی سی بات نہ ہوگی۔ یہ اختلاف رائے اس لئے معمولی نہ سمجھا جائے گا کہ خلافت کے مالیہ کا تعلق اس مسئلہ سے ہے، انفاق کے مسائل کا انحصار انہی پہ ہے اور اوامر ونواہی سے ان کا تعلق ہے جن کو بزور نافذ کیا جاتا ہے اور منوایا جاتا ہے اور بصورت عدم تعمیل سزا دی جا سکتی ہے، یہی اختلاف جماعتی شکل میں عملاً ظاہر ہو تو بغاوت منصور ہوگا اور جنگ کی صورت اختیار کرلے گا۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ابتدائے خلافت میں فتنۂ ارتداد میں ایک صورت زکوٰۃ سے انکار کی بھی تھی۔ اور زکوٰۃ کا تعلق اسی زائد آمدنی سے ہے، اور صاحبِ نصاب ہی اس کی ادائیگی کے مکلف ہیں۔ تجارتی سود اور تجارتی نفع دونوں بھی تجارتی کاروبار کے مالی پہلو ہیں، لیکن ان میں کونسا حرام ہے اور کونسا حلال ہے، اس امر کا جب تک کہ تصفیہ نہ ہو جائے اوامر ونواہی معطل ہو جاتے ہیں، اور خود زکوٰۃ کے تشخص وتعین کا مسئلہ معرض بحث میں پڑ جاتا ہے، ربا جیسے اہم مسئلہ کی نسبت علمائے دین میں اس کے علمی واطلاقی ہر دو پہلوؤں میں اس قدر وسیع اختلافات سے ایک تکلیف دہ حقیقت بہرحال نظروں کے سامنے آجاتی ہے کہ اس ملت میں تشتت وافتراق ہونے کی وجہ سے اجماع کی صورت گری میں بڑی مشکلات حائل ہو گئی ہیں اور اختلافات کی یہ وسعت شماتتِ ہمسایہ تو بنے گی ہی لیکن اس سے نقصانِ مایہ یوں ہوگا اور ہو رہا ہے کہ اسلامی نظامِ زندگی کے نفاذ میں علماء کے یہی اختلافات مسلم مملکتوں کے سربراہوں کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں یا پھر انہیں اپنی من مانی حکومت پر ڈٹے اور اڑے رہنے پر ایک بہترین حیلہ فراہم کر دیتے ہیں۔

بہرحال جو نکات اس وقت زیرِ بحث ہیں وہ تجارت کے، ربا کے، اور اسلامی نظامِ زندگی کے اہم ترین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


مسائل میں سے ہیں۔ لیکن جیساکہ مولانا شاہ صاحب نے "کمرشیل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت" کے پیشِ لفظ میں کمرشیل انٹرسٹ کے جواز و عدم جواز کا اس نظامِ باطل میں قطعی تصفیہ کرنے میں جو دقت پیش آتی اور اس راہ میں جو عملی مشکلات حائل ہو جاتی ہیں ان کو پیشِ نظر رکھ کر بڑے خلوصِ نیت سے پوچھا ہے کہ: "یہ ہے وہ سوال جو عرصۂ دراز سے زیرِ غور و بحث رہا ہے۔ لیکن کوئی متفق علیہ اور تشفی بخش فتویٰ اب تک سامنے نہیں آیا اور مسلمانوں کی اکثریت ہنوز تذبذب کی تیرہ و تار وادی میں بھٹک رہی ہے۔"

"تشفی بخش فتویٰ" دینے کا تو نہ راقم اہل ہے اور نہ مجاز ہے۔ لیکن معاشیات کے ایک معمولی طالبِ علم کی حیثیت سے وہ اس امر کی امکان بھر کوشش تو کر سکتا ہے کہ کاروبار میں زائد آمدنیوں کی ماہیت و نوعیت کو علمائے کرام کے سامنے یک گونہ فنی طریقہ پر تجزیہ کر کے پیش کر دے تاکہ انہیں ان مسائل کی معاشی نوعیت پر اپنی فقہی رائے قائم کرنے میں تھوڑی بہت مدد مل سکے۔ اس مشتبہ و مبہم مسئلہ پر راقم نے اپنی زیرِ ترتیب تصنیف "اسلامی نظامِ معیشت میں ربا کے قرآنی نظریئے" میں قرآن کے وسیع "نظریۂ انفاق" کے باب میں "نظریہ العفو" پر تفصیل سے بحث کی ہے اور زائد آمدنیوں کی مختلف اشکال مثلاً صنعت کا منافع، زراعت کا لگان، تجارت کا نفع اور محنت کی زائد اجرت کی فنی طریقے توضیح کر کے "نظریہ العفو" کا اس پر اطلاق و انطباق کرنے کی مختلف شکلیں بتلائی ہیں تاکہ اسلامی نظامِ معیشت میں انفاق فی سبیل اللہ کے سیاسی، معاشری اور معاشی اداروں کی باضابطہ تنظیم و تشکیل کی صورتیں پیدا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ ان زائد آمدنیوں، زائد دولت اور دولت کے فالتو حصوں میں حکومت، معاشرہ اور افراد کے حقوق اور ذمہ داریوں کا عہدِ جدید کی میکانی سہولتوں، تنظیمی آسانیوں اور معاشی و سیاسی مطالبات و اقتضاآت کی روشنی میں تعین و تیقن ہو سکے۔

بہرحال قرآن کے معاشی مسائل کو معاشیات کی اصطلاحی زبان اور علمی و فنی طریقے پر پیش کرنے کی یہ ایک حقیر کوشش ہے۔" مگر یہ ضرور پیشِ نظر رہنا چاہیئے" کہ بقول جعفر شاہ صاحب کے "ہماری نیت بخیر ہے" اور پیش کردہ طریقۂ تحقیق، اگلا قدم اٹھانے میں روشنی کے مینارہ کا کام دے سکے گا۔"

قرآن کا "تصورِ زائد اور" زائد آمدنی کا نظریہ" | ربا کی ماہیئت و حقیقت سے تو علیحدہ مضمون میں بحث کی جا چکی ہے، اس کے یہاں اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں، اب مضمون کی اختصار کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس امر کی


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کوشش کی جائے گی کہ زائد آمدنی کی معاشی ماہیت و حقیقت سادہ مثالوں کے ذریعہ پیش کی جائے۔ مگر اس سے قبل قرآن کے تصور زائد کو چند نصوصِ صریحہ کی روشنی میں مجمل طور پر پیش کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

فضل کے لغوی معنی ہیں باقی بچ رہنا، حد سے بڑھنا اور فاضل یا زائد ہونا اگر ہم اس لفظ کا اطلاق معاشی زندگی کے مختلف شعبوں اور ہماری جد وجہد کے مختلف پہلوؤں پر کریں تو ہر جگہ جو چیز قدرِ مشترک کے طور پر نظر آئیگی وہ مال و دولت کا زائد از استحقاق یا زائد از ضرورت ہونا ہے، بالفاظِ دیگر تمام عواملِ پیدائش کے واجبی مطالبات اور معاوضے ادا ہونے کے بعد جو دولت بچ رہے اور زائد از ضرورت ثابت ہو اسی کو ہم فاضل پیداوار یا زائد از ضرورت آمدنی کہیں گے۔ اگر فضل کے معنیٰ حد سے بڑھ کر ملنا ہے اور حقِ واجبی معاوضہ کا نام ہے اور وہی معاوضہ پانے کی معاشی حد ہے تو ہر وہ آمدنی جو استحقاق سے زائد ہو اور واجبی حد سے بڑھ کر مل جائے زائد آمدنی ہے اور فضل کا نتیجہ ہے، ان معنی میں جب ہم خدا کے فضل کے خواستگار ہوتے ہیں تو گویا ہم اپنی مساعی کے واجبی معاوضہ کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ اس سے کچھ زائد و فاضل آمدنی کے خواستگار ہوتے ہیں۔

قرآن پاک کی آیات میں فضل کا لفظ بار بار آیا ہے۔ مسائل کا تعلق معاش سے ہو یا معاد سے بہر حال زندگی کے جس پہلو پر بھی خدا کے فضل کا اظہار کیا گیا ہے عبارت کے سیاق و سباق سے ہر جگہ یہی مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ یہ فضل خدا کی عنایت و مہربانی کی علامت ہے اور اس کا نتیجہ ہر صورت میں یہی ہے کہ بندہ کو ان حالات میں اس کی محنت و مشقت سے زیادہ ہی مل جاتا ہے۔

سورۂ جمعہ کی یہ آیت تو مؤمنین کو اکتسابِ رزق کی جد وجہد میں خدا کے فضل ہی کی تلاش کی تلقین کرتی ہے: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

ابتغائے فضل میں انسان کی مساعی حسنہ مضمر ہیں، اکتسابِ رزق یا ذرائعِ معیشت کی ایسی تلاش میں جو خدا کے فضل و کرم کی طالب ہے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ ذکرِ باری اور یادِ الٰہی کے وظائفِ ایمانی کو ان فرائضِ زندگی کے ساتھ برابر جاری رکھے۔

تلاشِ رزق کا یہ معاشی طریقہ عین عبادت ہے اور ذکرِ الٰہی کے ساتھ فکرِ معیشت درحقیقت معاش برائے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



معاد ہے اور ابتغائے فضل برائے انفاق فی سبیل اللہ ہے، یہ طریقِ معیشت گویا سبیلِ ہدایت پر تلاشِ حق ہے اور خدا کا وعدہ ہے کہ ایسی جستجو میں خدا کا فضل ہمیشہ مزدور کے ساتھ رہتا ہے اور اس کو اکتسابِ رزق کی نئی نئی راہیں ملتی رہتی ہیں۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ٥

طریقت وسلوک کی ان راہوں میں معیشت کی نیک راہوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو معاشی جد وجہد بھی موردِ افضال وعنایاتِ الٰہی بن جاتی ہے۔ اور ہمارے حقیر خیال میں یہ ہے بھی، کیوں کہ انفاق نیکیوں کی بہترین شہادت ہے اور تصورِ معاد کا معاشی ثبوت ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ٥

جب حصولِ نیکی کے لئے انفاق کو ایک ناگزیر اور اہم ثبوت وشہادت قرار دیا گیا ہے تو فضلِ الٰہی کو معاشی فضل کے ہم معنی نہیں تو قریب المفہوم سمجھنا ہمارے حقیر خیال میں کوئی ایسی جرأت نہ ہوگی جو تحریف معنوی کی مورد ہو۔ اس آیت سے بھی یہی معنی متبادر ہوتے ہیں:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ٥ ۲: ۲۶۸۔

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ رزق کے سارے خزانے خدا کے ہاتھ میں ہیں اور وہی سب کو رزق تقسیم کرتا ہے اور اس میں بست وکشاد کا سارا اختیار اسی کا ہے۔ جس کو چاہے ایک مقررہ مقدار میں ناپ تول کر دے اور جس کو چاہے بے حساب عطا کرے۔ فضل وعطا بالکلیہ اسی کے ہاتھ میں ہے اور اس میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا:

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ٥ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ٥

فضلِ الٰہی کی وسعتیں تو کائنات کے گوشہ گوشہ میں پھیلی ہوئی ہیں اور حیاتِ انسانی کے طولِ زمانی و وسعتِ مکانی کو محیط ہیں لیکن ہم کو اپنے معاشی مباحث میں اس فضل کی صرف انہی اشکال سے بحث کرنی ہے جو معاشی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں بحیثیتِ فاضل آمدنی اور زائد دولت کے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔

مضمون کا اختصار مباحث کے اطناب کو برداشت نہیں کر سکتا اور پھر یہ زیرِ بحث تشریح وتوضیح تو اپنی نوعیت



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



میں تبصرہ و تنقید ہے، پھر بھی اس امر کی کوشش کی جائے گی کہ قرآن کے "نظریۂ فضل" کی معاشی تاویل و تطبیق کی جائے۔

اس سلسلہ میں معاشیات کے مضامین سے صرف تقسیم دولت کے چند اہم مباحث کی مثالیں لے کر فاضل دولت کی ماہیئت و حقیقت کی وضاحت کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ لگان، اجرت، منافع، معاشی سود اور نفع فاضل آمدنی کی مختلف شکلیں ہیں۔ معاشئیین ان تمام اقسام میں لگان کو بنیادی اہمیت کا حامل قرار دیتے ہیں اور اسی نظریۂ لگان پر دوسری فاضل پیداوار کو قیاس کرتے ہیں۔

معاشی لگان کی مختصر تعریف یہ ہوگی کہ:

کسی کھیت کی جملہ پیداوار سے مجموعی مصارف پیدائش منہا کرنے کے بعد جو کچھ فاضل پیداوار بچ رہے اس کو معاشی لگان کہتے ہیں۔

گویا جملہ آمدنی و مجموعی مصارف کے فرق کا اصطلاحی نام لگان ہے۔ جس کو معاشیات میں زمین کا معاوضہ قرار دیا جاتا ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے یہ لگان جو فاضل آمدنی کا نام ہے زمین یا زمین دار کا جائز معاوضہ قرار پا سکتا ہے یا نہیں؟ یہی گویا ہمارا موضوعِ بحث ہے۔

کسی کھیت کی جملہ آمدنی تو وہی ہوگی جو اس کھیت کی کل پیداوار کو بازاری قیمت کے مطابق فروخت کرنے کے بعد جملہ قدر کی شکل میں زمین دار کو حاصل ہوگی۔

مصارفِ پیدائش ان جملہ اخراجات و مطالبات پر مشتمل ہوں گے جو اس استخراجی صنعت کو چلانے اور قائم و برقرار رکھنے میں درکار ہوتے ہیں۔ ان کی وسیع تقسیم یوں عمل میں آسکتی ہے:

(۱) زمین کی قیمت اور مستقل ترقیاتِ اراضی کے کام: یعنی زرعی اراضیات کی خریداری، ان کو قابلِ زراعت بنانے کے لئے زمین کو ہموار کرنا، کھیت سے شارعِ عام تک سڑکوں کی تعمیر، چاہی آبپاشی یا دیگر ذرائع آب کی تعمیر و ترمیم، گودام اور مزرعہ پر زرعی مکان وغیرہ، ان ہی میں قوتِ محرکہ کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ بشکل برقی ہو یا مویشی۔

یہ اخراجات ظاہر ہے کہ کثیر ہوں گے اور مستقل نوعیت کے ہوں گے اس لئے ان کو ایک دو فصل یا چند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



فصلوں کی پیداوار سے بھی نکالا نہ جا سکے گا اس لئے ان کو کئی سال پر یا کئی فصلوں پر پھیلا کر بالاقساط ہی وصول کیا جا سکے گا۔ اور سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت میں یہ جملہ مصارف مع سود کے زرعی آمدنی سے اصولاً وصول کئے جا سکیں گے۔

(ii) زراعت یا کاشتکاری کے فصلواری مصارف : یہ مصارف مشتمل ہوں گے تخم، کھاد، ٹراکٹروں کا کرایہ یا کرایے کے ہل بیل ہوں تو ان کا مجموعی کرایہ (اس صورت میں مصارف اوّل سے قوتِ محرکہ کو خارج کردینا پڑے گا) زرعی مزدوروں کی اُجرت، کلچائی اور درو کے اخراجات وغیرہ۔

(iii) نکاسی پیداوار کے مصارف : کھیت سے گودام اور گودام سے منڈی تک پیداوار کو لانے اور منڈی کے سارے سرکاری مطالبات پورے کرنے کے بعد فروخت پیداوار تک جملہ مصارف۔

(iv) زمین دار کو اس کے اخراجات تنظیم و نگرانی اور اگر اس کے اہلِ خاندان نے بھی کھیتوں پر یا زرعی کاروبار میں حصّہ لیا ہو تو ان کو محنت کی واجبی اجرت ....

(v) زمین دار کو زمین کا حق مالکانہ جاگیرداری نظام یا زمین داری نظام میں ملتا ہے، یہی گویا اس کا لگان ہے حکومت کو زرِ مال گذاری اور دیگر زرعی محاصل کی ادائیگی رعیت واری طریقِ تعہد میں راست کی جاتی ہے۔

(vi) ان تمام مذکورہ بالا مطالبات و اخراجات کی بابجائی کاشت کی جملہ پیداوار سے بے باق کرنے کے بعد جو کچھ بھی حصّہ پیداوار فاضل بچ رہے گا اسی ماحصل زائد کو معاشیات میں "لگان" کہا جاتا ہے، یہی زائد پیداوار گویا زمین کا وہ حصہ ہے جو بحیثیتِ عامل پیدائش اس کا قدرتی معاوضہ قرار دیا جاتا ہے۔ ان معارفِ پیدائش کی فنی پیچیدگیوں میں گئے بغیر مسئلہ لگان کی معاشی ماہیت و حقیقت کو اس کی سادہ شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس سلسلہ میں دو سوال فطری طور پر پیدا ہوتے ہیں کہ لگان کیسے پیدا ہوتا ہے اور یہ کہ یہ کس چیز کا معاوضہ ہے۔

پہلا سوال پہلے لیا جاتا ہے۔

اس مسئلہ کی دریافت کے لئے کہ یہ پیدا کیسے ہوتا ہے حسب ذیل مفروضات کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے...

(i) قیمت کا تعین اشیاء کی طلب و رسد کے عوامل کے تحت عمل میں آتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



(ii) بازاری قدر کا اتنا بلند ہونا ضروری ہے کہ اس قیمت سے کم از کم جملہ مصارف پیدائش نکل سکیں۔

(iii) منڈی یا بازار میں اشیاء کی جو رسد آتی ہے اس کی جنسی یکسانیت کو بھی فرض کرنا ضروری ہے ورنہ اجناس کی قسم میں تبدیلی ہو جائے تو قیمتوں میں تغیرات ہو جاتے ہیں اور ان سب کا ایک معاشی بازار نہیں ہو سکتا۔

(iv) "معاشی بازار" وہ ہے کہ جس میں ایک وقت میں ایک جنس کی قیمت ایک ہوتی ہے۔

(v) بازار میں اشیاء کی رسد ہم جنس ہونے کے باوجود کسی ایک کھیت سے نہیں بلکہ مختلف کھیتوں سے آتی ہے۔

(vi) ان مختلف کھیتوں کی قدرتی و معاشی زرخیزی ایک جیسی ہونا کوئی ضروری نہیں۔ بعض اراضی قدرتی طور پر زرخیز ہوتی ہیں، بعض خاص فصلوں کے لئے زرخیز ہوتی ہیں۔ بعض کھیت منڈی سے، ریلوے اسٹیشنوں سے سڑک سے قریب ہوتے ہیں اور بعض دور، اور بعض مزارعین کو شہر کی قربت سے اعلیٰ تخم اور مصنوعی کھادوں اور سرکاری ادویہ وغیرہ کی سہولت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ، جبکہ دوسروں کو یہ مختلف سہولتیں حاصل نہیں ہوتیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مختلف کھیتوں کے مصارف پیدائش مختلف ہوتے ہیں۔

(vii) بازار کی طلب اتنی ہو کہ جو صرف زرخیز کھیتوں کی رسد سے پوری نہ ہو سکے بلکہ اس کی مجموعی طلب کی تشفی بخش طریقے پر تکمیل کے لئے زیادہ و کم زرخیز سبھی قسم کے کھیتوں کی پیداوار درکار ہو۔

(viii) بازار کا قانونِ قدر یہ ہے کہ اشیاء کی رسد کے مقابلہ میں طلب زیادہ رہتی ہے تو قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور شرح قدر بلند رہتی ہے۔ اور اگر رسد سے طلب کم رہتی ہے تو قیمتوں کی سطح کم ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح رسد کی مقدار میں تغیرات ہوں اور طلب علیٰ حالہ برقرار رہے تو رسد کے اضافہ سے قیمتوں میں کمی اور رسد کی کمی سے قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس طرح بازاری عوامل بڑی حد تک خودکار ہوتے ہیں اور ان کے عمل اور ردعمل سے خود بخود بازاری قیمتوں کی سطح معین ہوتی رہتی ہے۔

بازاری طلب کی اضافہ پذیر صفت قیمتوں کی سطح کو بلندی کی طرف رکھتی ہے اور اس رجحان کا اثر کم زرخیز اور بے کاشت افتادہ زمینوں پر اچھا مرتب ہوتا ہے کہ ان کو اس وقت زیر کاشت لایا جا سکتا ہے جبکہ قیمتوں کی سطح اتنی اونچی ہو جائے کہ اس سے ان کم زرخیز کھیتوں کے مصارفِ پیدائش نکل سکیں۔ اس کے برعکس حالات میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جبکہ طلب کی کمی سے قیمتوں کی سطح کا رجحان کمی کی طرف ہوتا ہے تو کم زرخیز کھیتوں کی موقوفی کا عمل شروع ہوجاتا ہے اور بازاری قیمتوں سے ان اختتامی کاشت والے کھیتوں کے مصارفِ پیدائش نہ نکلنے کی وجہ سے نچلی سطح کے کھیت بتدریج بے کاشت ہونے لگتے ہیں اور زرخیز کھیتوں کی مقدارِ لگان میں کمی ہونے لگتی ہے۔

اس طرح جہاں بازاری طلب کے اضافہ پذیر رجحان پر مختلف زرخیزی والے کھیتوں پر کاشت کے پھیلاؤ کا انحصار ہے وہیں رسد کی طرف سے زیادہ مصارف طلب کھیتوں کے مصارفِ پیدائش پر قیمتوں کی آخری حد کا انحصار ہے۔

اس طرح بازاری طلب کو اضافہ پذیر فرض کرکے لگان کی ماہیت اور معاشی حقیقت کا مطالعہ کیجئے تو ریکارڈوں کے نظریۂ لگان کی وضاحت ہوجاتی ہے اور لگان کا فرق مصارف کا ابتدائی نظریہ ہمارے مقصد کی تکمیل کے لئے کافی ہوجاتا ہے۔

معاشی عوامل حسبِ ذیل طریقے پر عمل پیرا ہوتے ہیں:۔

بازاری طلب کا اضافہ پذیر رجحان قیمتوں کی سطح کو بلند رکھتا اور مزید رسد کا مطالبہ کرتا ہے، قیمتوں کا اضافہ کم زرخیز کھیتوں پر کاشت کو وسعت دے کر رسد میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔ رسد کا اضافہ طلب و رسد میں متوازن کیفیت پیدا کرکے بازار کی معمولی قدر کو متعین کرتا ہے۔

یہ معمولی قیمت اکثر حالات میں بیشتریں مصارف والے کھیتوں کے مصارف پیدائش کے لگ بھگ رہتی ہے، اختتامی کاشت والے کم زرخیز کھیتوں کو لگان نہیں ملتا۔ یہ کھیت بے لگان ہوتے ہیں۔ چوں کہ معاشی بازار میں ایک جنس کی قیمت ایک وقت میں ایک ہوتی ہے اس لئے زیادہ زرخیز کھیتوں کو ان کے کمتر مصارف کی بناء پر زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔

بالفاظِ دیگر قیمتوں کا اضافہ جو مختلف معاشی عوامل کا نتیجہ ہوتا ہے اور زرخیزی کا اختلاف جو قدرتی اسباب کا نتیجہ ہوتا ہے اور قانون تقلیل حاصل کی بناء پر فرقِ مصارف کا سبب بنتا ہے گویا انہی دو عوامل کی بناء پر معاشی لگان حاصل ہوتا ہے۔

اس حیثیت سے معاشی لگان ایک ایسا ماحصل زائد ہے جو کلیۃً معاشی اور قدرتی اسباب کا نتیجہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



لگان نہ سود کی طرح مصارف کا جزو ہوتا ہے اور نہ قیمت رسد میں شامل ہوتا ہے، یہ محض بازاری قیمتوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ قیمتوں کا اضافہ، جبکہ دوسری چیزیں علی حالہ برقرار رہیں تو لگان میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے اور اس کے برعکس قیمتوں کی کمی لگان میں بھی عام طور پر کمی کا باعث ہوتی ہے۔

جب یہ معاشی حقیقت واضح ہو گئی کہ لگان قیمتوں کا آوردہ یا نتیجہ ہے اور کھیتوں کے فرق مصارف اور قانون تقلیل حاصل اس حقیقت کی تہ میں پنہاں اور اس کا باعث ہیں تو اس اعتبار سے لگان کی ماہیت ایک ایسی "غیر مکتسب" آمدنی کی ہوتی ہے جس میں زمین دار کاشتکار کی محنت کو دخل ہی نہیں ہوتا۔

یہی ماحصل زائد پیداوار زمین دار کی فاضل آمدنی کا سبب ہے اور یہ فاضل آمدنی محض خدا کے فضل کا نتیجہ ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قیمت پیداوار سے تمام عوامل پیدائش کو ان کی خدمات کے واجبی معاوضوں کی ادائیگی، دیگر معاشی مطالبات کی مکمل یکسوئی، اور مختلف مدت محفوظ کی علیحدگی، قرض پہلی ہوئی مشغول رقم کی بالاقساط بے باقی زر مال گذاری اور دیگر سرکاری مطالبات کی بجا آوری اور یہاں تک کہ زمین دار کے حق تنظیم کی اعلیٰ پیمانہ پر پیش کشی کے بعد بھی اس کاروبار کی جملہ آمدنی سے کچھ حصہ بطور ماحصل زائد کے بچ رہے تو اس فاضل آمدنی کو حاصل کرنے کا ادعا و استحقاق واجبی طور پر کس کو حاصل ہے؟

چوں کہ حکومت نے حسب قانون اپنے مطالبات پورے کر لئے، مزدور اور دیگر کارندوں کو ان کی اجرتیں بروقت اور حسب معاہدہ مل گئیں، دیگر عوامل پیدائش کے حسابات چکتا کر دیئے گئے اور زمین دار کو بھی اس کا بیش قرار معاوضہ مل گیا تو بدیہی طور پر یہ فاضل آمدنی ایک غیر مکتسب آمدنی ہی قرار پائی جس پر از روئے معیشت کسی ایک کا ادعا نہیں ہو سکتا۔ اور جب اصولاً اس فاضل آمدنی پر کسی کا ادعا ہو نہیں سکتا تو کیا اس کو تالیف قلوب کے لئے زمین دار کے "حق مالکانہ" کے عوض اس کے خاندان کو عطا کر دیا جائے: تاکہ اس سے اس کی ہمت افزائی ہو اور حکومت اور خدا کے اس فضل و احسان کے بدلے وہ بھی دوسروں پر احسان کرنے کے موقف میں رہے یا یہ کہ اس فاضل پیداوار کو بدیں وجہ کہ وہ ایک مکتسب آمدنی ہے اور اس بناء پر بھی کہ وسائل قدرت اور زمین میں خلافت کے حقوق مرجح ہوتے ہیں اس آمدنی کو بیت المال میں داخل کر دیا جائے تاکہ حکومت کو عوام کی نمائندگی کے حق کی بناء پر اور نیابت الٰہی اور معاشی خلافت کے فرائض انجام دینے میں ایسی فاضل آمدنیوں سے ہمیشہ مدد ملتی رہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



وہ ان آمدنیوں کے ذریعہ اسلام کے فلاحی معاشرہ کے قیام و استحکام کے وسیع اور مہتم بالشان مقصد کے حصول میں کامیابی حاصل کر سکے۔ یا پھر حکومت اور زمیندار اس میں سے حصہ بانٹیں اور مزدوروں کو سہیم رکھیں۔

اس مسئلہ کی قطعیت اور تعین کے فیصلہ کو ہم علمائے دین متین اور فقہائے اسلام کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ "فاضل آمدنی" کی معاشی ماہیت و حقیقت کی بناء پر ملک کے معاشی، سیاسی اور معاشرتی حالات کی نوعیت و اضافیت کو پیش نظر رکھ کر اپنے تفقہ سے کام لیں، کسی فیصلہ پر پہنچیں اور اجماع کے بعد اپنا فتویٰ صادر فرمائیں اور مسلمانوں کی رہبری و رہنمائی کے فرائض انجام دیں۔

یہ بات تو بہر حال متحقق ہو چکی کہ فاضل آمدنی کی ماہیت و نوعیت ربا جیسی نہیں ہے۔

ربا اور ربح میں لغوی معنی کے اعتبار سے اضافہ، زیادتی اور اصل مال میں بڑھوتری جیسے صفات مشترک نظر آتے ہیں تو یہ صفات نظر فریب دکھائی دیتے ہیں لیکن فیصلہ تو بہر صورت اور بنیادی طور پر ماہیت اشیاء پر کیا جاتا ہے اور فتوی تو بہر حال نوعیت مسائل پر ہی منحصر ہوتا ہے۔ اشیاء کی ماہیت، اصول و نظریات کی حقیقت اور مسائل کی نوعیت کو پیش نظر رکھ کر ربا و ربح کے فرق و امتیاز کی بحث کو مضمون کے اختتامی حصہ میں رکھنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ لگان ہی ایک فاضل آمدنی نہیں ہے بلکہ منافع، اجرت اور نفع اور معاشی سود بھی اسی کی قسمیں ہیں اور ان کی مختصر توضیح کے بعد کمرشیل انٹرسٹ یعنی تجارتی سود اور تجارتی نفع میں فرق و امتیاز کی کوشش کی جائے گی۔

فاضل پیداوار کی ماہیت کا جہاں تک تعلق ہے معاشی زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی اصلیت ایک جیسی ہے اور اس کو معلوم کرنے کا فارمولا بھی ایک ہی ہے یعنی (جملہ آمدنی ـــ مجموعی مصارف) اسی فارمولے کو قرآن کی اصطلاح میں بیان کیجئے تو فارمولا تو وہی رہے گا مگر اصطلاح کی تبدیلی کے ساتھ۔

جملہ آمدنی ـــ جملہ مصارف = العفو

پیدائش دولت میں یہ فارمولا ان اصطلاحات میں ہوگا:-

زراعت : جملہ قیمت پیداوار - مجموعی مصارف پیدائش = ماحصل زائد = لگان

صنعت : جملہ آمدنی - مجموعی مطالبات صنعت و مصارف پیدائش = فاضل آمدنی = منافع۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



تجارت : جملہ آمدنی ـ مجموعی کاروباری مطالبات ومصارف = فاضل آمدنی = نفع

سرمایہ کاری : حصص کی مشروط جملہ آمدنی حسب معاہدہ ـ × × × = "معاشی سود" = منفعت

ربائی کاروبار : سود کی لازمی جملہ آمدنی بشرح مقررہ ـ × × × = بیاج سود یا ربا = سود

محنت مزدوری یا ملازمت : جملہ اجرت یا تنخواہ ـ مجموعی مصارف رہائش = زائد از ضرورت دولت = فضل زائد آمدنی زائد اجرت

اوپر دی ہوئی مثال میں فاضل آمدنیوں کی مختلف قسمیں مختلف اصطلاحات میں پیش کی گئی ہیں جن کی ماہیت وحقیقت کم و بیش ایک جیسی ہے لیکن ربا ان سب میں مختلف ہے اور حقیقت میں اس نوعِ آمدنی سے اس کا تعلق ہی نہیں ہے بلکہ وہ اپنی معاشی ماہیت میں ان کی بالکل ضد ہے۔

لگان کی ماہیت کی وضاحت کے بعد دوسری اہم آمدنی صنعت کی ہے۔ معاشی اعتبار سے زراعت وصنعت دونوں ہی صنعتیں ہیں، پہلی کا تعلق ابتدائی یا استخراجی صنعتوں سے ہے اور دوسری کا ثانوی صنعتوں سے۔ ان دونوں قسم کے کاروبار میں اہم معاشی اسباب میں چند ایک قوانین کا لحاظ رکھنا ضرور ہے جو کاروبار اور اس کی پیداوار پر اثر انداز ہوتے ہیں اور منافع کے حصول میں ان کو اہمیت حاصل ہے۔

فاضل آمدنی کے سلسلہ میں زرعی کاروبار اور صنعتی کاروبار میں معاشیات کے بعض فنی امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

استخراجی صنعتوں میں "قانون تقلیلِ حاصل" کا عمل بہت نمایاں ہوتا ہے۔ زراعت، معدنیات اور دیگر استخراجی صنعتوں کی پیداوار میں اصل اور محنت میں اضافہ کر کے ان وسائلِ قدرت سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی جب کوشش کی جاتی ہے تو فطری طور پر ان کی قوتِ پیداواری محدود ہونے کی بنا پر اصل اور محنت کی اکائیوں میں مسلسل اضافہ کے باوجود مقدارِ پیداوار میں ایک حد کے بعد کمی کا رجحان ظاہر ہونے لگتا ہے جس کی وجہ سے مصارف کے مقابلہ میں پیداوار کی متناسب مقدار میں تقلیلِ حاصل کی کیفیت رونما ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محنت و اصل کی ابتدائی اکائیوں پر تو مقدارِ پیداوار کا تناسب زیادہ رہتا ہے لیکن اتنی ہی مصارف والی بعد کی اکائیوں پر کم مقدار ملتی ہے۔ پیداکنندے ان کاروبار میں "قانون تقلیلِ حاصل" کے عمل کے باوجود محنت و اصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے جرعوں میں اس وقت تک اضافہ کو جاری رکھتے ہیں جب تک کہ ان جرعوں کی پیداوار کی بازاری قیمت سے جرعوں کے مصارف نکل آنے کی توقع ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے محنت واصل کے آخری جرعوں پر کم ہی منافع ملتا ہے لیکن ابتدائی جرعوں کا منافع مابعد جرعوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ رہتا ہے۔ آخری جرعوں کے مقابلہ میں ماسبق جرعوں پر جو زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ وہی گویا لگان یا "معاشی لگان" کی بنیاد ہے۔

اس اعتبار سے پیدائش لگان کے سلسلہ میں قانون تقلیلِ حاصل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ افزائشِ لگان کی تہ میں یہی قانون پوشیدہ طور پر عمل پیرا رہتا ہے۔

اسی قانون کا یہ اثر ہے کہ انتہائی زرخیز قطعاتِ آراضی بھی ایک خاص مقدار پیداوار کا پیش کش کرنے کے بعد بازار کی اضافہ پذیر طلب کی تکمیل سے اپنے آپ کو فطری طور پر معذور ومجبور پاتی ہیں ۔ زرخیز زمینوں کی یہی فطری کوتاہی کم زرخیز زمینوں پر وسعتِ کاشت کا سبب بنتی ہے اور کم سے کم تر زرخیز زمینوں پر کاشت پھیلتے جانے سے فرقِ مصارف کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اسی فرقِ مصارف کی بناء پر زیادہ زرخیز کھیتوں کو لگان ملتا ہے اور یہی "معاشی لگان" جو قدرتی عوامل کا نتیجہ ہوتا ہے زمین دار کی فاضل آمدنی کہلاتا ہے جو ظاہر ہے کہ ایک غیر مکتسب آمدنی ہے۔

زراعت اور دیگر استخراجی صنعتوں کے مقابلہ میں ثانوی صنعتوں کی کیفیت ذرا مختلف ہوتی ہے، ان ثانوی صنعتوں کو ہم عام بول چال میں صنعت وحرفت یا مصنوعات یا صرف صنعتی کاروبار کہتے ہیں۔

زرعی اور صنعتی کاروبار میں فنی اعتبار سے اس امر کا ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے۔ کہ اول الذکر کاروبار قانون تقلیلِ حاصل کی گرفت میں رہتے ہیں جبکہ موخر الذکر کاروبار میں پیمانۂ کاروبار کی وسعت کے ساتھ "قانون تکثیرِ حاصل" کا عمل تیز تر ہو جاتا ہے۔ یعنی جیسے جیسے کاروبار کا پیمانہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے محنت و اصل کے مزید جرعوں کی پیداوار اضافہ پذیر رہتی ہے اور پیداوار کی فی اکائی مصارف میں کمی کا رجحان رہتا ہے اس کو معاشی اصطلاح میں "پیدائش بر پیمانۂ کبیر" کی کفایات کہا جاتا ہے اور اس سے سبھی کاروباری لوگ واقف ہیں، مختلف مصنوعات کی پیداوار میں میکانی طریق پیدائش کی اس پیمانۂ کبیر والی ٹکنیک سے تو سبھی واقف ہیں لیکن اس کا اطلاق کتابت وطباعت جیسی محدود طلب والی مصنوعات پر بھی مغربی مطابع نے کیا تو ان پر بھی اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اصول کا ایک گونا انطباق ہوا اور مخصوص اور منتخب کتابوں کی کثیر اشاعت سے ان مغربی مکتبوں کو کافی فاضل آمدنی ہوئی۔

کم قیمت پر زیادہ اشیاء فروخت کر کے مجموعی منافع زیادہ حاصل کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ زیادہ قیمت پر کم اشیاء فروخت کر کے مجموعی منافع میں کمی کر لیں، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اپنی دولت مندی کا یہی راز بتایا تھا اس تجارتی اصول کی بنا پر آنجنابؓ کو جو کثیر فاضل آمدنیاں ہوتی تھیں وہی گویا آپ کی دولت وثروت کے اضافہ کا اور دسا ورسے لدے پھندے کاروانوں کا سبب تھیں۔ اس کو ہم تجارت بر پیمانۂ وسیع کا اصول کہہ سکتے ہیں'

صنعتی کاروبار میں قیمت رسد کی کمی اضافہ طلب کا سبب بنتی ہے اور طلب کا اضافہ کارخانوں کی پیداوار میں اضافہ کا باعث بنتا ہے اور مقدار پیداوار کا یہی اضافہ پیمانۂ کاروبار کو کثیر سے کثیر تر کرتا جاتا ہے اور "بر پیمانہ کبیر" کی کفایات سے صناعوں کو برکت اندوز کر کے فاضل آمدنیوں کے انبار لگاتا جاتا ہے، جاپان اسی اصول کو اشیاء کی ناپائیداری کی ٹکنیک کے ساتھ اپنی دولت میں غیر معمولی منافعوں کے ڈھیر لگاتا جا رہا ہے، اور اس سے صنعت کاروں کے انفرادی فاضلات کے ساتھ قومی دولت میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

تجارتی کاروبار کا تعلق "مبادلہ دولت" کے معاشی شعبہ سے ہے اور معاشیات میں یہ تیسرے درجہ کی صنعت ہے۔ تاجر کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتے لیکن مصنوعات میں "افادۂ مقامی" پیدا کر دیتے ہیں، ان کی معاشی خدمت یہی ہے کہ وہ پیدا کنندوں اور صارفین میں ربط پیدا کرنے کی درمیانی خدمات انجام دیتے ہیں۔ بین صوبجاتی اور بین ملکی تجارت میں یہ خدمات مختلف تنظیمی اعتبارات سے ناگزیر سمجھی جاتی ہیں۔ جس طرح صنعتوں میں تنظیم کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اسی طرح تجارت میں بھی "انتظام بر پیمانۂ وسیع" کو اتنی ہی اہمیت حاصل ہوگئی ہے، تجارت بین الاقوام میں اور ہر وسیع مملکت کی داخلی تجارت میں بھی بڑھتی ہوئی باہمی مسابقت کے باعث مبادلۂ دولت کی مختلف تنظیمی و انتظامی اداروں کو غیر معمولی فنی اہمیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ وہ تاجر جو "مبادلہ دولت" کی تعلیم میں تخصیص پیدا کریں، اور اپنے تجربات و تحقیق کے ذریعہ اس فن میں کمال حاصل کریں ان کو یقیناً اپنے ہم عصر تاجروں میں سبقت لے جانے کے مواقع رہیں گے اور کامیابی ہمیشہ ایسے ہی افراد کے ہم رکاب رہے گی۔ جو فنی بصیرت اور انتظامی قابلیت کے مالک ہوتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مزید تفصیلات میں گئے بغیر اس سلسلہ میں اس قدر کہہ دینا کافی ہوگا کہ عالمی طلب کا صحیح اندازہ کرنا، حلقہ واری ایجنسیاں قائم کرنا، اشتہار بازی کرنا، مختلف حلقوں میں ان اشیاء کے بدل ہوں تو مقابلہ کی ٹکنیک سے کام لینا، حکومت کے متعلقہ عہدیداروں سے ربط پیدا کرنا اور بڑے بڑے اداروں سے تجارتی اصولوں پر تعلقات قائم کرکے بازاروں کو وسیع کرنے کی مسلسل کوشش کرنا اور ان تمام امور کی اطلاعات کی فوری فوری نشر و اشاعت کے انتظامات کے ساتھ اشیاء کی بروقت فراہمی کے لئے ہمیشہ مستعد رہنا اور جہاں بھی طلب میں خلا پیدا ہوا فوراً اس پر قبضہ کرنے کے لئے ہمیشہ چوکنا رہنا اور پھر ان تمام تجارتی تدبیروں پر عمل پیرا رہتے ہوئے اشیائے تجارت کی خصوصیات و خوبی کو برقرار رکھتے ہوئے قیمتوں کا تعین اس طرح کرنا کہ اس قیمت پر زیادہ سے زیادہ مال کی نکاسی بھی ہو اور مقابلہ و مسابقت میں یہی قیمت ایک حربہ اور ذریعہ کا بھی کام کرتی رہے۔

بہرحال تجارت کے ان تمام تنظیمی و انتظامی امور کے مصارف کو برداشت کرتے ہوئے اور دوکانات کو ٹیپ ٹاپ رکھنے اور گوداموں میں طلب کی فوری بابجائی کے لئے ہمیشہ مال محفوظ رکھنے کے لئے جو تمام مصارف ہوتے ہیں ان سارے مصارف کی بابجائی کے بعد قیمتِ اشیاء کی مجموعی آمدنی سے جو بھی فاضل آمدنی ہو اسی کو ہم "تجارتی نفع" کہیں گے۔

یہ "تجارتی نفع" جو مبادلہ دولت میں "فاضل آمدنی" کا نام ہے اور قرآنی اصطلاح "العفو" کا ہمارے حقیر خیال میں اس پر پوری طور پر انطباق ہوتا ہے، ایک ایسی جائز آمدنی ہے جو "ابتغائے فضل" کی صحیح اسپرٹ میں تجارتی کاروبار کو چلانے اور مبادلاتی تدابیر اختیار کرکے حالات کی مساعدت میں خدمات انجام دینے سے خدا کے فضل و کرم سے حاصل ہو جاتا ہے۔ قدرتی اسباب کی مساعدت کے لئے یوں بھی خدا سے استمداد و استعانت کرنی پڑتی ہے کہ انسانی تدبیریں مہماتِ امور میں ہمیشہ کارگر نہیں ہوتیں اور بار بار الٹ الٹ جاتی ہیں۔ اس لئے "ابتغائے فضل" کے لئے جب کوئی محنت و مشقت کرتا ہے تو اس کی خدا سے یہی دعا ہوتی ہے کہ اس کی ساری تدابیر تابع تقدیر رہیں تاکہ اس کو حصولِ فضل میں کامیابی اور فوز و فلاح سے فیضیاب ہونے کی فضیلت حاصل ہو، خدائے پاک اپنے بندوں کی ایسی نیک مساعی کو ضائع نہیں ہونے دیتا کیونکہ یہ اسکا وعدہ ہے کہ اِنِّی لَا اُضِیعُ اَجرَ المُحسِنِینَ ۵ ہم کو تو عملی اور معاشی نقطۂ نظر سے اس آیتِ پاک کا یہی مفہوم نظر آیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



جس کو ہم نے اوپر ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۶۲: ۱۰-

اسی سلسلہ میں پھر ایک بار خدا کے فضل و کرم کا اعلان کرنے والی اور فضلِ ربی کو مخصوص لوگوں کے ساتھ مختص کرنے والی آیت ملاحظہ فرمایئے تو "فضل" خدا کی عنایات و مہربانیوں کی ایک علامت نظر آتی ہے اور "فاضل" اس کا مادی ثبوت معلوم ہوتا ہے:

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

اپنے بندوں کو ایتائے فضل کی یہ بشارت اور اس نعمت کا مخصوص بندوں کے ساتھ اختصاص فاضل آمدنیوں کو فضلِ رب کی ایک حقیقی و مرئی نعمت بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان آیات کی ان معاشی تاویلات کی صحت کی توثیق انفاق فی سبیل اللہ کی قرآنی تعلیمات سے ہوتی ہے جس کے کم و بیش کے حدود حسب ذیل آیات متعین کرتی ہیں:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اجتماعی و ملی فلاح و بہبود کے لئے جہاں ساری کی ساری فاضل آمدنیوں کو فضلِ الٰہی کے اظہارِ تشکر کے ثبوت میں عیال اللہ کی خدمت کے لئے فی سبیل اللہ خرچ کر دینے کی تلقین و تعلیم کی گئی ہے وہیں انفاق کو صلاحی و فلاحی معاشرہ کے قیام میں ایک اہم ذریعہ بنائے رکھنے کے لئے اپنی ہر آمدنی سے افراد کو معاشرہ کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور خرچ کرنے کی تلقین و تعلیم کی گئی ہے تاکہ انفاق اسلامی تہذیب کا مزاج ہی بن جائے اور بندہ اس کی دی ہوئی روزی کو بغیر اس کا شکرانہ ادا کئے کبھی بھی استعمال نہ کرے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ ۶۵ / ۲۸

———(باقی)———

© rasailojaraid.com